۱۵۔ ڈاکٹر مسکین حجازی 'صحافتی زبان' دوسرا ایڈیشن، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۴ء ص ۶۰

۱۶۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی، 'صدق جدید لکھنؤ' ۶ جون ۱۹۵۸ء

۱۷۔ شورش کاشمیری، حیدر نظامی، مطبوعات چٹان لمیٹڈ لاہور، ۱۹۶۲ء ص ۹۱ تا ۹۷

* محمد شریف سیالوی

شاہ عبداللطیف بھٹائی اور روایات تصوف

''شکیل و جمیل ، کشادہ سینہ ، مضبوط بازو ، چوکور اور بھری ہوئی ریش مبارک، گندمی رنگ، شراب عشق کے نشے میں مخمور سیاہ اور بڑی بڑی آنکھیں، خلق خدا پر نہایت شفیق ، متواضع اور سادہ مزاج ، گیروے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ، سر پر صوفیانہ وضع کی سفید اور دمدار ٹوپی جس کے ساتھ کالا کپڑا بطور امامہ لگا ہوا ، ہاتھ میں گول دستہ کی عصا'' یہ وہ عظیم شخصیت ہے جسے شاہ عبداللطیف بھٹائی کے نام سے دلیائے شعر و ادب اور فلسفۂ اسلام و تصوف میں شہرت دوام حاصل ہوئی ۔ وادیٔ سہران کی اس عظیم ہستی نے اپنے فکر و فن سے عوام و خواص کو یکساں متاثر کیا ۔ فلسفۂ وحدت الوجود اور اس کے ادق مسائل کو تصوف کی روایتی زبان فارسی کی بجائے خالص سندھی میں ڈھال کر عامتہ الناس کے قلب و نگاہ اور دل و دماغ میں اتار دیا ۔ محبت عالمگیر کا ساز چھیڑ کر عابد و معبود اور شاہد و مشہود کے احوال وکیفیات کا راگ الاپا۔ بندگان خدا کے لیے اخوت و محبت کا فیضان عام کیا ۔ کامیاب زندگی گزارنے کے لیے جدوجہد اور ریاضت کا درس دیا ۔ غرض ساز شعر و سخن سے انہوں نے صوفیاء اسلام کی تحریک روحالیت کو حیات تازہ بخشی ۔ وہ بلاشبہ علم و حکمت، عرفان و ایقان اور فکر و عمل کا حسین پیکر تھے ۔

شاہ لطیف کی فکر اب صرف اہل ہند تک محدود نہیں رہی بلکہ مشرق و مغرب کی دیگر زبانیں بھی اس حیات بخش پیغام سے مالا مال ہوا چاہتی ہیں ۔ ''شاہ جو رسالو'' کے متعدد تراجم ان کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں ۔ اس کے مطالعہ سے شاہ لطیف کے فکری ابعاد اور حدود کے تعین میں آسانی پیدا ہو گئی ہے ۔ شاہ لطیف کی مذہبی فکر اور روایت تصوف کا محور مخصوص اصول و نظریات ہیں ، لوک کہانیوں اور قصوں کے ضمن میں استعاروں اور تلمیحات کے ذریعے انہوں نے وہ سب کچھ کہہ دیا جس پر وہ ایمان رکھتے تھے اور جسے لوگوں تک پہنچانا وہ اپنا فرض اور زندگی کا حاصل سمجھتے تھے ۔

وہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ ولی کامل اور صاحب بصیرت مصلح بھی تھے ۔ ان کا کلام کیا ہے ؟ شاہ صاحب سرسہنی میں اس کا جواب دیتے ہیں ۔

---

* لیکچرار ادارہ علوم اسلامیہ و عربی بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

میرے ابیات ہر معنی کی کیا بات
شگفتہ صورت آیات قرآن
دل انسان پہ کھلتے جا رہے ہیں
رموز معرفت اسرار عرفان[1]

''شاہ جو رسالو'' میں شاہ لطیف نے مثنوی مولانا روم کے طرز پر قصوں اور تمثیلات کے ذریعے قرآنی حقائق بیان کیے اور ہدایت قرآنی کی تبلیغ کے لیے نغمہ کو بطور وسیلہ اختیار کیا۔ ان کے کلام میں جگہ جگہ قرآن و حدیث سے اقتباسات ملتے ہیں[2]۔

تاج محمد آغا کی یہ رائے بڑی وقیع ہے کہ، شاہ صاحب مطلق ان پڑھ نہ تھے بلکہ ان کو بہت سے علوم پر کافی عبور حاصل تھا اور بہت سی زبانیں جانتے تھے۔ مثلاً عربی، فارسی، سرائیکی، ملتانی، ہندی اور پنجابی وغیرہ، عربی و فارسی کے فقرے آپ کے کلام میں جا بجا موجود ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کو علوم ظاہری پر کافی دسترس حاصل تھی۔ لیکن ان ظاہری علوم کے باوجود آپ کا کلام خشک مبلغ کا وعظ نہ تھا جسے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا جاتا بلکہ شاہ صاحب کا ذریعہ تبلیغ نغمہ تھا اور ایسا نغمہ جسے لوگ سنتے ہی یہ سمجھتے کہ انہیں کے دل کی آواز ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ شاہ صاحب کا دل قوم کے دل کا آئینہ تھا۔

ان کی مذہبی فکر کے مطالعہ کے لیے ضروری ہے کہ ان کے ہاں ''خدا'' ''انسان'' اور ''کائنات'' کے بارے میں مخصوص نظریات اور ان میں اصول محبت کے مرکزی کردار کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔

اسلامی تصوف کے ایک مخصوص مبلغ کی حیثیت سے وہ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے قائل تھے۔ ان کے ہاں خدا کی وحدانیت اور ہمہ جہت موجود ہونے کا یقین ملتا ہے، بقول مخدوم امیر احمد

''حضرت شاہ صاحب نے سب سے پہلے قرآن پاک کی بنیادی تعلیم توحید کو لیا کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ اس عالم اضطراب و بے چینی کا علاج سوا اس کے ممکن نہیں کہ عوام میں توحید کے عقیدہ کو مستحکم کیا جائے تاکہ وہ ہر حال میں خدائے ذوالجلال پر بھروسہ رکھیں[4]۔ وہ توحید کے باب میں اللہ رب العزت کی ذات و صفات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ سب سے اول وہی اللہ ہے جو علیم و اعلیٰ

اور عالم کا مالک ہے جو قادر اور قدیم ہے اور اپنی قدرت سے قائم ہے وہ ہر چیز کا والی ہے ۔ واحد ہے ، لا شریک ہے ، رزاق ہے پروردگار اور رحیم ہے ۔ ۔ ۔ وہی کریم ہے جس کے ہاتھ میں جہاں کا نظم و نسق ہے۔ حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے۔ حقیقت ابدی کا ادراک معرفت رب کا دوسرا نام ہے ۔ وہ ذات وحدہٗ لا شریک ہے ۔ انسان کی فلاح و نجات اسی حقیقت کے ادراک سے وابستہ ہے وہ فرماتے ہیں ''اللہ تعالی معبود حقیقی ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ، اس چیز کو پکڑ لے تیری جیت اور ہار اسی سے وابستہ ہے'' اور ''یہی حقیقت ہے اس کے علاوہ جس کسی نے بھی دوسرے کو تھاما اس (حقیقت) تک نہ پہنچ سکا ۔''

اس امر پر کسی محقق کا کوئی اختلاف نہیں کہ شاہ لطیف اکثر صوفیاء کی طرح وحدت الوجود کے قائل تھے ۔ مولانا غلام محمد گرامی کا خیال ہے کہ ''شاہ صاحب نے اپنے مخصوص عارفانہ رنگ میں الٰہیات کے اہم مسائل کی جانب اشارہ کیا ہے وہ ہے اللہ پاک کا واجب الوجود ہونا اور غیر کا معدوم ہونا ۔ اہل تصوف عارفوں کی تحقیق ہے کہ رب کریم اپنی ذات کے لحاظ سے بے مثال ہے جس طرح اس کی ذات کی مثال نہیں اسی طرح اس کی صفات کی بھی مثال نہیں ۔ موجودات عالم سب اضافی ہیں سب چیزوں کا وجود اللہ سے وابستہ ہے اس کی ذات سے وجود پیدا ہوئے ہیں اللہ کا وجود ذاتی ہے باقی سب دوسرے صفاتی مظاہر ہیں'' ۔

خود شاہ صاحب فرماتے ہیں :

''ایک ہستی سے کثرت ہوئی اور اس کی ہر تخلیق میں وہی اوصاف ہیں، تو صرف اس رب کا نام لیتا آ ۔ دوسروں کی کوئی بات نہ کر ، یہی کل کائنات کا راز ہے وہی یہ ہے وہی وہ ہے ۔ وہی قریب ہے اور وہی دور ہے ۔ وہی قضا ہے اور وہی خدا ہے ۔ میرا محبوب بھی وہی ہے تو جان بھی وہی ، وہی دشمن ہے تو وہی مسیحا اور مددگار ۔''

عقیدۂ وحدت الوجود کی وضاحت ایک تمثیل سے یوں کرتے ہیں :

''محل ایک ہے جس کے لاکھوں دروازے اور کروڑوں کھڑکیاں ہیں جہاں دیکھتا ہوں وہاں محبوب سامنے ہے ۔''

تعلق باللہ ان کے نزدیک فلسفۂ عبدیت کے حوالے سے ہے ۔ قرب الٰہی ہی وہ صداقت ہے جو مقصود بندگی ہے ۔ عبدیت کا تانا بانا طویل ریاضت اور عبادت سے تشکیل پاتا ہے ۔ خدا شناسی اور خود شناسی دونوں کے لیے مجاہدہ و ریاضت ضروری ہے ۔ عابد و معبود کے ساتھ رشتہ جاودانی ہے اور اس منزل کی تلاش بجز تزکیۂ نفس کی راہ کے ممکن نہیں ۔

یوں تو شاہ صاحب نے تصوف کے کئی اہم مباحث کو اپنی شاعری کا موضوع قرار دیا لیکن محبت کے موضوع پر شاہ صاحب کا جوش تخیل اور انداز تفہیم لائق مطالعہ ہے ۔

اسلامی تصوف کی روایت کے تسلسل میں شاہ صاحب کا نظریۂ محبت صوفیائے سابقین سے قطعاً مختلف نہیں البتہ انداز بیان ضرور منفرد ہے اس سیاق میں ''شاہ جو رسالو'' میں محبت کے ذیل پہلوؤں پر مباحث ملتے ہیں :

۱۔ محبت کی ماہیت

۲۔ محبت حقیقی و محبت مجازی اور اس کے مظاہر و تقاضے

۳۔ محبت کی جہات ثلاثہ : اللہ ، رسول اور انسان

۴۔ محبت کی وقوفی اور ادراکی حیثیت

۵۔ محبت بطور جذبۂ عمل اور راہنمائے منزل

۶۔ شاہ کا پیغام ، محبت کا فروغ ۔

محبت نام ہے اس جذبے کا جو خالق و مخلوق اور معبود و عابد کے مابین ربط پیدا کرتا ہے ۔ اس کا وجود تو ''میثاق الست'' سے ہے جب کہ آدم و بنی آدم کو ہیئت و صورت بھی نہیں دی گئی تھی ۔ جب آواز گونجی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟ تو سب نے برملا کہا ''بلیٰ'' یوں بندے اور رب کے تعلق کے لیے اصول محبت رمز و علامت قرار پایا ۔

محبت حقیقی ہی کمال انسان ہے ۔ اسی جذبۂ لازوال سے دل و نگاہ کی بینائی اور فکر کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے ۔

عاشقی ہے صفائے قلب و نظر
کیسا آغاز اور کیا انجام

قلب و نگاہ کا حسن جذبۂ محبت ہے اور اپنی ماہیت کے اعتبار سے محبت ہی حسن کا صحیح ادراک کر سکتی ہے حسن موجودات بدون جذبۂ محبت احاطۂ علم میں نہیں آ سکتا ۔

بہار بے خزاں جذب محبت حسین جب تک ہے دل ہر شئے حسین ہے، حسن حقیقی کے انوار اسی آئینۂ دل پر جلوہ گر ہوتے ہیں جسے محبت سے صیقل کیا گیا ہو ۔

پرتو حسن دوست ہے جن پر
ان گے دل روشنی سے ہیں معمور

وحدت باری تعالی کا صحیح تصور بھی محبت کے بغیر ممکن نہیں ، عشق الٰہی انسان کو محکومیٔ ماسوا اور خوف و حزن سے نجات دلاتا ہے ۔ قرآن اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس موضوع کو بارہا مرتبہ بیان کیا گیا ۔ شاہ لطیف کے ہاں محبت کی ماہیت اور اس کے خصائص کے بارے یہی خیالات ملتے ہیں ۔

ملاحظہ فرمائیے

کوئی دل میں نہیں خدا کے سوا
کشش ماسوا سے ہیں آزاد

جنہیں تیری محبت کی لگن ہے
انہیں شکوہ نہیں رنج و بلا کا

وصال حق اور معرفت رب کے لیے جذبۂ محبت ہی راہنما اور راہبر کامل ہے ۔

جادہ پیمائے معرفت کے لیے
عشق ہوتا ہے رہبر کامل

اپنی جدوجہد کو راہ حق سے متعلق کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

رات دن تیری جستجو مجھ کو
رہبر جذبۂ محبت ہے

عشق کا لازمی مظہر محبوب کی یاد اور ذکر ہے ۔ اس طرح عبد و معبود کا رشتۂ محبت ذکر کو ضروری قرار دیتا ہے ۔

میں ہوں عبد اور تو معبود اس میں کوئی شرک نہ شک
خاصۂ عشاق ہے کرنا ذکر یار ہر دم بے شک
پس ہر چیز وہی ہے حق ہو جس سے تعلق محبوب کا

محبت الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم لازم و ملزوم ہیں، فرماتے ہیں :

"جنہوں نے وحدت کے صحیح معنی سمجھے ہیں، انہوں نے کلمہ کے دو حصے کیے ہیں اور محمد رسول اللہ کہہ کر مسلمان ہوئے ہیں ۔ عبداللطیف کہتا ہے کہ عاشقوں نے یہ مصمم ارادہ ازل ہی سے کیا ہے اس لیے اللہ تعالی نے انہیں پاک اور صاف بنایا کیونکہ وہ وحدت میں سما چکے ہیں۔"

شاہ صاحب کے نظریہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب خدا ، مولائے کائنات اور باعث تخلیق موجودات ہیں ۔

"جب اس نے جہان کی امید پوری کی اور دنیا کو پیدا کیا تو اپنی تخلیق خاص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا مالک بنا کر بھیجا اور اس کریم کا کلمہ پڑھوایا اور یہ کہا کہ میں تیرا مولیٰ ہوں اور تو میرا محبوب ہے سید کہتا ہے کہ، اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ہر دو عالم آراستہ کیے گئے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی ضرورت اور انوار محمدی کے کمالات کو بڑی تاکید سے بیان کرتے ہیں کیونکہ ایمان بالرسالت کلمۂ توحید کا جزو لاینفک ہے۔

"خدا ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں جب تو یہ کہتا ہے تو اس (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی صدق دل سے مان جس کے لیے یہ دنیا بنی ہے۔"

شاہ لطیف کے مختلف کردار استعارہ کے انداز میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ محبت رسول کی بھیک مانگتے ہیں کیونکہ محبت ہی گنج گرانمایہ ہے۔

میرے محبوب اک جام محبت
مجھے خود اپنے ہاتھوں سے پلا دے
قسم ہے مجھ کو اس تشنہ لبی کی
سراپا تشنۂ الفت بنا دے

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذب فراواں ملاحظہ فرمائیے۔

یہ فرط شوق اپنے چشم و دل کو
غبار منزل جاناں بنانا
نظر آئے تجھے جب نور احمد
تو اس کو اپنی رگ رگ میں سمانا

محبت حقیقی ماسوا اللہ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ عرفان حق اسی سے ممکن ہے یہ نہ ہو تو بندہ اوہام کا شکار ہو جاتا ہے۔

جن کی روحیں تھیں آشنائے الست
وحدت حق کے راز دار ہوئے
اور جو محو ماسوا ہی رہے
اپنے اوہام کا شکار ہوئے

ایسا لگتا ہے کہ شاہ صاحب کے ہاں محبت جو قلب کا فعل ہے، حقیقت ابدی کے ادراک کے لیے مختص ہے۔ عقل یہ فریضہ انجام دینے سے قاصر ہے اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب کی شاعری میں فلسفۂ محبت چھایا ہوا ہے۔ گو طریق محبت ہی سے حقیقت و معرفت تک رسائی ممکن ہے لیکن شاہ صاحب ان کے ساتھ شریعت کی شناسائی کو بھی ناگزیر سمجھتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا:

''شریعت کی صحیح شناسائی سے طریقت پر بھروسہ کر اور حقیقت کو اپنی جان میں بسا کر معرفت کے مقام کو مطمح نظر بنا اور ثابت کے ساتھ ثابت قدم رہ۔''

اس حوالے سے وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی زور دیتے ہیں وہ نور محمدی کو کائنات پر محیط پاتے ہیں۔ اور یہ کہ معرفت رب اور معرفت کائنات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ اس خصوصی تعلق کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ شاہ کے کلام میں جگہ جگہ قرآن مجید، احادیث اور صوفیاء سابقین کے اقوال سے اقتباس ملتے ہیں جن سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مسلک و عقیدہ میں اپنے پیشرو صوفیاء سے قطعاً مختلف نہ تھے۔ البتہ انہوں نے ابلاغ کے لیے جو انداز اختیار کیا وہ یقیناً منفرد ہے۔

محبت کی تیسری جہت مخلوق خدا اور انسانیت سے تعلق خاطر ہے جس کی بنیاد حب الٰہی بھی ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات میں اسلامی برادری اور اس سے بڑھ کر جملہ انسانوں کے لیے رأفت و رحمت اور محبت کا جذبہ و پیغام زیادہ محتاج بیان نہیں۔ شاہ لطیف کے ہاں پیغام محبت کا یہ پہلو بہت نمایاں ہے۔ کیونکہ خالق کائنات سے محبت کا جذبہ موجودات کائنات سے محبت کا تقاضا کرتا ہے۔ یہ ایک کلی جذبہ ہے جو رنگ و نسل اور زبان و علاقہ کے امتیازات سے آزاد ہے، فرماتے ہیں:

محبت میں تفریق ہستی نہیں
محبت میں تقسیم مستی نہیں

معاشرتی امن و امان اور کمال انسانیت کا راز بھی محبت میں مضمر ہے ۔ محبت کا فروغ عداوتوں اور نفرتوں کو ختم کر دیتا ہے ۔

مٹا دیتی ہے زنگار کدورت
محبت کی نگاہ سحرسانہ

شاہ صاحب کے ہاں محبت کی شرائط اور تقاضوں کا بیان بھی ملتا ہے ۔ ان میں اخلاص ، جہد مسلسل ، استقامت اور مصائب و آلام پر صبر اور جذبۂ ایثار و قربانی ہے ۔ محبت کے حوالے سے انہوں نے فراق و وصال کے مناظر کی شاندار تصویر کشی کی ، جمال یار کی رعنائیوں کا تذکرہ بھی کیا ، عاشق دلفگار کی آہ سرد اور نالۂ گرم کے علاوہ قلبی واردات و کیفیات کو دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ۔ محبت کی اس بے پناہ اثر انگیزی اور زندگی کے رویوں میں فعال کردار کے باعث وہ اسے اپنی شاعری کا اہم جزو اور اپنے پیغام کی روح قرار دیتے ہیں ۔

تیرا مسلک غم محبت ہے اپنے مسلک کا پاسبان ہو جا
تو امین غم محبت ہے بے نیاز غم جہاں ہوجا

شاہ صاحب کی شاعری کا مرکزی خیال تلاش حق ، عرفان ذات باری اور قرب ربانی ہے ۔ اس منزل کے حصول کے لیے وہ سخت جدوجہد اور ریاضت کی تلقین کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ مصائب و آلام پر صبر کرنے کی نصیحت کرتے ہیں ، ان کے ہاں لوک کہانیوں کے سارے کرداروں کا مرکز و محور یہی تصور ہے ۔ سسی، پنوں کی تلاش میں ریگستانوں کے اندر بھٹک کر جان دے دیتی ہے ۔ ماروئی وطن اور اہل وطن کے لیے بے قرار ہے ۔ قید و بند کی سختیاں اٹھاتی ہے مگر غیر کی اطاعت قبول نہیں کرتی ، سوہنی اپنے مہینوال کے لیے بے چین ہے اور جان کی پرواہ کے لیے بغیر وصال محبوب کی غرض سے دریا میں ڈوب جاتی ہے ۔ وہ حقیقت تک رسائی کے لیے عبادت و ریاضت ، عشق و محبت ، خود شناسی و عرفان نفس اور آزادیٔ روح کو لازمی قرار دیتے ہیں یہی عبادت و ریاضت کہ جس میں جذبۂ محبت رہبر ہو وصال حق کی راہ ہے ۔

راہ سلوک میں غفلت ، آرام طلبی اور سہل پسندی رکاوٹ ہے وہ ان خطرات سے آگاہ کرتے ہیں، ایک جگہ فرمایا: ''تو اپنی آنکھوں کو غفلت شعاری کی آلودگی سے پاک کر تو تجھ پر تیرے مالک کی بن جائے گی اور تجھ پر انعامات کی بارش

ہوگی" ۔ بقول شاہ صاحب، ساجن سے تو ان کا ہی وصال ہوتا ہے جو اس کی راہ میں چلتے رہتے ہیں محبت الٰہی میں جان دینے والے اور "موتوا قبل ان تموتوا" کا شیوہ اختیار کرلے والے حیات ابدی پا لیتے ہیں ۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ، جن کو موت کی آرزو تھی انہیں مر کے بھی مات نہیں ہوتی وہ تو جہاں سے پہلے ہی زندگی پا چکے ہوتے ہیں ۔ عبادت و ریاضت کی بھٹی میں آتش عشق کی حدت سے انسان کندن بن کر نکلتا ہے اس ریاضت کا مقصود تکمیل ذات اور عرفان نفس ہے جو معرفت الٰہی کے لیے لازم ہے ۔ خود شناسی عابد کی بنیادی صفت ہے اس سے مراد شعور ذات اور دیدۂ دل کے امکانات سے آگاہ ہونا ، انہیں نکھارنا اور چمکانا ہے ۔ اس مرحلے پر بھی عشق و محبت راہنمائی کرتا ہے اور قرب و وصال کو ممکن بنا دیتا ہے ۔

اپنی ہستی ہ چھا گیا جب خود
عشق پابند جسم و جان نہ رہا
کوہ و صحرا بھی ہو گئے ناپید
فاصلہ کوئی درمیان نہ رہا
مرحبا وصل شاہد و مشہود
کوئی تفریق کا گماں نہ رہا

اور فرمایا

خود شناسی خدا شناسی ہے
ورنہ ہستی صنم تراشی ہے

اس ضمن میں مزید فرمایا

بسیرے جن کے ہیں آب رواں پر
انہیں کیوں زحمت تشنہ لبی ہے
وہ ہنوں ہے رگ جان سے قریب تر
سسی جنگل میں جس کو ڈھونڈتی ہے
من اے محروم راز خود شناسی
عجب یہ شکوۂ بیچارگی ہے

خود شناسی کا جوہر کمیاب بدون آزادی روح حاصل نہیں ہوتا اس لیے وہ محبوب حقیقی کے سوا محکومیت کی ہر نوع سے آزاد ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ عقیدۂ توحید کی قوت سے ہی انسان مادی و حیوانی خواہشات کی غلامی سے آزادی حاصل کر کے خود شناسی کی منزل رفیع کی طرف آگے بڑھتا ہے وہ سالک کو تلقین کرتے ہیں۔

خنجر ''لا'' آبدار تو کر اپنی حیوانیت پر وار تو کر

محبت الٰہی کے سیاق میں شاہ صاحب انسان کو خطا کار سمجھتے ہیں اور اسے اپنے رب کے حضور توبہ و استغفار کی تلقین کرتے ہوئے ''لا تقنطوا من رحمة الله'' سے ڈھارس بندھاتے ہیں وہ سلف صالحین کے اس موقف کے حامی ہیں کہ انسان محض اپنے اعمال کی بنیاد پر فلاح حاصل نہیں کر سکتا تا آنکہ اللہ کا فضل اس میں شامل نہ ہو۔ ایک مقام پر اس حقیقت کا یوں اظہار فرمایا:

''اے میرے معبود جہاں فانی میں جو کچھ بھی ہے تیرے سہارے سے ہے۔ تیرے لطف و کرم کی کوئی انتہا نہیں، اگر تو انصاف کرے گا اور عدالت بٹھائے گا تو میری نجات ممکن نہیں لہذا اپنے فضل و کرم سے ممنون فرما۔''

کائنات کے بارے میں ان کا تصور وحدت الوجود کی اساس پر ہے۔

موج در موج بحر بے پایاں
میرے محبوب کی نشانی ہے
حاصل جلوہ ہائے رنگا رنگ
در حقیقت وہی روانی ہے
ظاہر حسن کو ثبات کہاں
ہر تب و تاب آنی جانی ہے
خواہش وصل یار کیا معنی
قرب محبوب جاودانی ہے

حقیقت اور مظاہر کو جس خوبی سے بیان کیا گیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کے ہاں حقیقت ابدی کے شئون کا نام کائنات ہے جس کے ذرہ ذرہ میں نور مطلق کی جلوہ گری ہے۔ کائنات گما فی الظاہر فانی ہے بقا و دوام صرف ایک وجود کو حاصل ہے وہی حقیقت ہے۔

فریب نظر ہے یہ دو دن کی دنیا
وہی ابتدا ہے وہی انتہا ہے
وہ سمجھے اسے جو محمد کو جانے
یہ سمجھو کہ اس کا بھلا ہو گیا ہے

شاہ کی فکر میں کائنات کے اندر بھی اصول محبت کار فرما ہے اور کائنات بہمہ موجودات محبوب حقیقی کی جلوہ گری ہے۔

بحر و بر پر کچھ نہیں موقوف
ساری دنیا ہے حسن سے معمور
کار فرما ہے اے مرے محبوب
فرش سے تا بہ عرش تیرا نور

موجودات کائنات سے انسان کا تعلق محبت الٰہی کے حوالے سے جب استوار ہوتا ہے تو احترام انسانیت بلا قید مذہب و ملت، انسانی مساوات اور بھائی چارہ جیسی اعلیٰ اخلاقی قدریں جنم لیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس طبقۂ فکر سے تعلق رکھنے والے صوفیاء مختلف مذاہب و مسالک کے ماننے والوں کے ہاں یکساں قدر و منزلت رکھتے تھے۔

شاہ لطیف نے ''انسانیت'' کی تحریک کو فروغ دیا، وہ احترام انسانیت کا درس دیتے ہیں۔ محنت کشوں اور جور و ستم کے مارے ہوئے انسانوں کے لیے جذبہ ہمدردی رکھتے ہیں۔ وہ کمال مہارت سے مختلف پیشوں سے وابستہ افراد کی جفا کشی، صبر آزما محنت، اور میدان زیست میں ان کی حوصلہ مندی کا تذکرہ کرتے ہیں اس پر مزید یہ کہ شاہ صاحب نے خداوند کائنات، روح و مادۂ انسان کے روحانی لطایف، تزکیۂ نفس اور اس کے مختلف مراحل، عظمت رسول ؐ، انسانوں کے مابین تعلقات اور اس قبیل کے سینکڑوں الٰہیاتی مسائل کی تفہیم اور محبت باہمی کی اساس پر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل کو اپنی شاعری کا موضوع قرار دیا۔ اور یوں شاہ کا چھیڑا ہوا نغمہ اسلامیان پاکستان کے دلوں کو اخوت کا گلستان بنا سکتا ہے۔